59

قرآن کریم کے تمدنی احکام

(فرمودہ ۱۴؍ جولائی ۱۹۲۲ء)

حضور انور نے تشہد و تعوذ۔ سورۂ فاتحہ اور سورۃ الحجرات کی ابتدائی پانچ آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

آج میں ایک تمدنی معاملہ کے متعلق توجہ دلاتا ہوں۔ چونکہ میرے گلے میں تکلیف ہے۔ اس لئے زیادہ نہیں بول سکتا۔ اور مختصراً یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ جب کوئی قوم ترقی کرنا چاہتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کو بڑھانا چاہتا ہے تو اس قوم کا تمدن بھی ترقی کرتا ہے غور کرو چوڑھوں چماروں کے مقابلہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی عقل تو زیادہ تیز ہوتی ہے مگر دوسری اقوام بھی جو پڑھی لکھی سمجھی جاتی ہیں ان سے تعلق رکھنے والے ان پڑھوں کی عقلیں بھی مقابلتہً ان سے تیز ہوتی ہیں۔ چوڑھے وغیرہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ فرق کیوں ہے۔ اس لئے کہ ایک تو تعلیم کا اثر ہے اور ایک تمدن کا۔ جس رنگ میں یہ قومیں باتیں کریں گی وہ بہت ادنیٰ درجہ ہوگا۔ ان کی باتیں ادنیٰ ہونگی۔ اور گالیاں دیں گے۔ بات میں خشونت ہوگی۔ عورتوں سے سختی کریں گے۔ جب بات کریں گے تو ادب اور لحاظ نہیں ہوگا۔ مگر جو قومیں شریف ہیں ان کی حالت ان سے مختلف ہوگی۔ علاوہ علم کے دولت اور حکومت سے بھی بات کرنے کا طریق بدل جاتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ میل ملاپ کے طریق بڑوں سے بات کرنے کے آداب' بیوی خاوند کے تعلقات ان سب باتوں میں علم کے ساتھ ساتھ ترقی ہوتی ہے۔ اور صفائی آتی ہے۔ جو قومیں گرتی ہیں۔ وہ ان معاملات میں بھی گر جاتی ہیں۔

ہمارے ملک کے لوگ اخلاق کے لحاظ سے یوں تو یورپ والوں سے اچھے ہیں۔ مگر تعلیم و تربیت نے ایک تغیر کر دیا۔ جو ہمارے ملک والوں میں نہیں ان میں ہے۔ مثلاً ولایت والوں کی یہ حالت ہے کہ اگر سٹیشن پر لوگ ٹکٹ لینے کے لئے جمع ہوں تو وہ اس ترتیب سے کھڑے ہونگے جس سے آئیں گے۔ دوسرا پہلے سے آگے نہیں بڑھے گا۔ اور تیسرا دوسرے سے آگے نہیں بلکہ اس

کے پیچھے کھڑا ہوگا۔ اور اس طرح ایک لمبی قطار بن جائے گی۔ اور سب یکے بعد دیگرے ٹکٹ لیں گے۔ کوئی شخص لائن توڑ کر آگے نہیں بڑھے گا۔ مگر ہمارے یہاں اس کے برخلاف کہنیاں چلا کرتی ہیں۔ یہ تمدن کی اصلاح تعلیم اور حکومت کے ذریعہ ہوئی ہے۔ پس جو قومیں ترقی کرتی ہیں ان کا تمدن بھی ترقی کرتا ہے۔

بعض باتیں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں بعض میں ادنیٰ کی اصلاح سے اعلیٰ کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور بعض میں اعلیٰ کی اصلاح سے ادنیٰ کی اصلاح ہوتی ہے اس کے متعلق اگر ظاہری صفائی ہو تو اخلاق بھی اچھے ہو جاتے ہیں اگر کھانے پینے کی چیزیں عمدہ ہوں اور مناسب طریق پر ان کو کھایا جائے تو اس سے جسم کے ذرات تیار ہوں گے۔ وہ اعلیٰ اخلاق کا موجب ہونگے۔ پس اگر جسم کی نشوو نما مناسب طور پر ہو تو اس کا نتیجہ اخلاق کی درستی ہوتا ہے۔ اور اخلاق کی درستی کے لئے تمدن کی اصلاح بھی ضروری ہے۔

اس سورۃ میں بعض وہ اخلاق بیان کئے گئے ہیں جو بظاہر معمولی ہیں۔ مگر قرآن کریم میں خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے مقابلہ میں اور احکام ہیں جو بڑے ہیں۔ مگر ان کا ذکر نہیں مثلاً سنتوں کا ذکر قرآن کریم میں نہیں پھر ان احکام کو ضمناً" بیان نہیں کیا بلکہ ابتدائے سورۃ ہی میں ان کو بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ احکام تمدن اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا اثر قوم پر پڑتا ہے۔ بظاہر یہ موٹی موٹی باتیں ہیں لیکن نتائج کے لحاظ سے کس قدر اہم ہیں۔ اور ان کی کس قدر تاکید فرمائی ہے۔

اصل حکم میں تو یہ بات نہیں مگر نتیجہ میں نکل آتی ہے۔ کہ رسول کی رائے ظاہر کرنے سے قبل کسی معاملہ کے متعلق پہلے ہی سے اظہار رائے نہ کیا کرو۔ کہ ہماری اس معاملہ میں یہ رائے ہے۔ جب تک رسول کی رائے نہ معلوم ہو جائے اور نہ رسول کے بولتے ہوئے بولنا چاہیئے جب رسول بول چکے تب بولنا چاہیئے۔ اس کو قرآن کریم میں نازل فرمایا۔ اور سورۃ کو شروع ہی اس طرح کیا۔ **یاایھا الذین امنوالا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم** اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کئے جا رہے ہوں۔ یا رسول گفتگو کر رہے ہوں۔ ان سے مت آگے بڑھا کرو۔ ان کے مقابلہ میں مت بات کیا کرو۔ عربی کے محاورہ میں "قدم" کسی کے سامنے بولنے کو بھی کہتے ہیں۔ تو اس کے معنی ہوئے کہ اللہ اور رسول کے سامنے نہ بولا کرو۔ **واتقوا اللہ** اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بات بظاہر معمولی ہے مگر اس کا اثر تقویٰ پر پڑتا ہے۔ پھر فرمایا **ان اللہ سمیع علیم** کہ تمہیں خیال ہوگا کہ اگر ہم نہ بولے تو ہماری بات سنی نہ جائے گی۔ فرمایا دین کا معاملہ تو خدا سے ہے۔ وہ تو سنے گا۔ اگر رسول یا

اس کا خلیفہ نہیں سنے گا تو اس کا کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ جس کے ساتھ معاملہ ہے۔ وہ دل کی حالت کو جانتا اور ہر ایک کی آواز کو سن لیتا ہے اگر دین ہے تو یہی طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ اور اگر دین نہیں اور دنیا ہے تو پھر کچھ کہنا ہی نہیں۔ رسول سے اگر تعلق ہے تو اس لئے کہ خدا کا حکم ہے اور خدا ہی کے لئے تعلق ہے۔ مومن اگر اطاعت کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے۔ ورنہ بندے کا بندے سے کیا تعلق۔

دوسری بات یہ فرمائی **یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔**

اگر رسول بیٹھا ہے۔ اور کوئی بات بیان کرے تو اس کے سامنے ادب سے بات کی جائے اور اونچی آواز میں بات نہ کی جائے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص بات کرے اور اس پر اعتراض ہو کہ اپنی بات کو واضح کیجئے تو جواب میں وہ شخص اپنی بات کو واضح کرنے اور کلام پر زور دینے کے لئے زور سے بولتا ہے۔ اور یہ صورت ایک مباحثہ کی ہو جاتی ہے۔ اس کے متعلق سکھلایا کہ اگر رسول تمہاری بات واضح کرنے کے لئے سوال کرے تو بلند آواز سے نہ بولو۔ آپ کی آواز سے تمہاری آواز نیچی رہے۔ زور اس لئے دیا جاتا ہے کہ بات مانی جائے۔ یہ طریق درست نہیں رسول اور اس کا نائب مشورہ کو مانتے بھی ہیں۔ مجھے تو اس سات سال کے عرصہ میں یاد نہیں کہ احباب نے مشورہ دیا ہو اور میں نے اس مشورہ کو رد کر دیا ہو گو ہمیں حق ہے کہ ہم رد کر دیں۔ تم اپنی تحکم کی صورت اختیار نہ کرو۔ جس سے ظاہر ہو کہ تم حاکم اور وہ محکوم ہیں۔ بلکہ اپنی آواز ان کی آواز سے تو بہرحال اونچی نہیں ہونی چاہیئے اگر رسول یا اس کا نائب بات کرنے میں بلند آواز استعمال کریں تب بھی تمہیں آواز نیچی ہی رکھنی چاہیئے۔

حضرت صاحب کو دیکھا ہے کہ بعض اوقات بات کرتے ہوئے اس قدر بلند آواز سے بولتے تھے کہ مدرسہ (احمدیہ) کے صحن میں آپ کی آواز سنائی دیا کرتی تھی۔ پس اس حالت میں بھی تمہاری آواز نیچی ہی رہے۔

اگر ایسا نہیں کرو گے تو **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ اور تم کو پتہ بھی نہ لگے۔ کتنی چھوٹی بات ہے مگر نتیجہ کتنا خطرناک ہے۔ بات یہ ہے کہ جب انسان کسی کے مقابلہ میں بلند آواز سے بولتا ہے تو اس کا ادب دل سے نکل جاتا ہے۔ اور جب ادب نہ ہو تو محبت بھی کم ہو جاتی ہے اور محبت کے کم ہونے کے ساتھ ایمان بھی کم ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان نہ تھے۔ مگر ایمان کو آپ سے وابستہ کر دیا گیا تھا۔ آپ سے اگر تعلق کم ہو گا تو اسی قدر ایمان میں کمی آئے گی۔ اور جس قدر آپ سے محبت

بڑھے گی اسی قدر ایمان میں مضبوطی اور ترقی ہوگی۔ یہی خدا کے پیاروں اور ان کے غیروں میں فرق ہے۔ خدا کے پیاروں سے محبت میں جس قدر کمی ہوگی۔ اتنا ہی ایمان کم ہوگا۔ اور جس قدر ان سے تعلق محبت بڑھے گا۔ اسی قدر ایمان بڑھے گا خدا کے پیاروں سے تعلق توڑنے والے خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ اور زکوٰۃ دیں مگر نتیجہ ان کے ایمان کا یہی ہوگا۔

فرمایا کہ **ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی** وہ لوگ جو رسول کے سامنے اپنی آواز کو دباتے اور نیچی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کرلیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔ پھر ایک اور ادب سکھلایا ہے **ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون۔** بعض لوگ آتے ہیں آواز دیتے ہیں یا دروازے پر زور سے دستک دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ کیوں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جو شخص اندر بیٹھا بھی خدمت دین میں مصروف ہے اور باہر بھی دین کی بہتری ہی کی فکر میں ہے۔ وہ جب باہر نکلے گا تو اس وقت مل لیں گے۔ اس کے کام میں خلل انداز ہونا درست نہیں اگر یہ صبر کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

یہ چند آداب ہیں جن کا ہمارے دوستوں کو بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ بعض احکام خاص ہوتے ہیں۔ مگر ان سے مراد عام ہوتی ہے۔ بعض میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں مگر ان میں آپ کے نائب بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور بعض عام لوگوں کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ اگر ان کو خاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا جائے تو اس سے ہماری شریعت ناکمل ہو جاتی ہے اس لئے **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** جہاں رسول اور اس کے جانشین کے لئے ہے وہاں مجلس کے صدر کے لئے بھی ہے۔ حضرت صاحب کی مجلس میں ایک شخص بلند آواز سے بولتا تھا۔ آپ نے اس کو اسی آیت کے ذریعہ سمجھایا تھا۔ مجلس میں جو صدر مجلس ہو اس کے سامنے بھی زیادہ اونچی آواز نہیں کرنی چاہیئے۔ دوستوں کو ان آداب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور رسول اور اس کے قائم مقام سے پہلے نہیں بولنا چاہیئے۔ اور ان سے اونچی آواز نہیں ہونی چاہیئے۔

میں خصوصیت سے آخری حکم کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور اس حکم پر توجہ دلانے کی خاص وجہ یہ ہے کہ چونکہ ارادہ ہے کہ اس دفعہ پندرہ پاروں کے جو درس ہیں ان کے نوٹ مکمل ہو کر چھپ جائیں چونکہ ان میں لغت کے حوالے بھی ہونگے۔ اور محض یاد سے یہ کام ہو نہیں سکتا۔ اس لئے ان کو لکھنے کی ضرورت ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ دس منٹ بھی بیٹھ کر لکھنا نہیں ملتا۔ کہ دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنے زور سے کھٹکھٹایا جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دروازہ ٹوٹ

جائے گا۔ اور ان کی دستک وارنٹ کے پیادہ کی طرح سخت ہوتی ہے۔ حالانکہ تصنیف کے کام میں جتنی توجہ اور یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ بڑی محنت کے بعد ایک بات ذہن میں قائم کی جاتی ہے جو یک دم دماغ سے ان دستکوں کی وجہ سے نکل جاتی ہے اور دروازہ کھول کر دیکھا جاتا ہے تو ایک رقعہ ملتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو۔ یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ کیونکہ یہ رقعہ ظہریا عصر کے وقت بھی دیا جا سکتا تھا۔ بعض دفعہ کام کی وجہ سے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ تو آدھ آدھ گھنٹے تک دستک دیتے رہتے ہیں۔ اس وقت اس دستک کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ شخص سمجھتا ہے کہ میں اندر نہیں ہوں۔ تو پھر اتنی دیر تک دستک دینے کے کیا معنی؟ اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ میں ہوں اور کسی وجہ سے نہیں بولتا تو پھر اتنی دیر تک دستک دینے سے کیا فائدہ؟ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بچہ ہوتا ہے جو تماشے کے طور پر کھٹکھٹا رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ دستک کے ساتھ آواز دے اور السلام علیکم کہے اور بتائے کہ میں فلاں ہوں۔ اور اس آواز سے وہ شناخت ہو جاتا ہے اور پتہ لگ جاتا ہے کہ فلاں شخص ہے جس کو ہم نے بلایا تھا یا جس سے ملنا ضروری ہے۔ تین دفعہ ایسا کرے اگر جواب نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ اور یہ ہر ایک مسلمان کے لئے حکم ہے۔ رسول اور اس کے خلفاء کے لئے جو ایسا نہ کرے وہ لا یعقل ہوتا ہے۔

اس غلطی میں افسروں کا بھی دخل ہے دفتروں کے چپراسی جب آتے ہیں تو وہ اسی طرح دستک دیتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ چپراسیوں کو سمجھائیں کہ وہ جب آئیں تو دستک دیکر السلام علیکم کہیں۔ اور ان کو بھیجیں بھی اس وقت جس وقت کوئی نہایت ضروری کام ہو۔ اب جو چپراسی آتے ہیں دستک دئے جاتے ہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ کون ہے۔ تو خاموش رہتے ہیں۔ چاہیئے کہ اگر ضروری کاغذ ہو تو اس وقت بھیجا جائے اور لانے والا بتائے کہ فلاں کام ہے۔

چونکہ تصنیف کا کام اتنا اہم ہوتا ہے کہ اس میں پوری توجہ کی ضرورت ہے اور سانس بھی دبانا پڑتا ہے۔ عام طور پر ایک منٹ میں ایک شخص اٹھارہ سانس لیتا ہے مگر میرے قریباً نصف رہ گئے ہیں یعنی دس یا گیارہ سانس۔ اس وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ سانس لینا بھی برا معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ کام پورے انہماک اور توجہ کو چاہتا ہے لیکن یہاں دس منٹ بھی توجہ سے بیٹھنے نہیں دیا جاتا۔ اور دیکھا گیا ہے کہ نوے فیصدی جو لوگ دستک دیتے ہیں وہ فضول ہوتی ہے۔ اور دعا کے رقعہ دینے والے بھی معمولی رقعے دیتے ہیں۔ اگر کوئی خاص تکلیف ہو اور اس وقت ملنا ضروری ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ مخلوق کی ہمدردی کے لئے ایسا کرنا ثواب کا باعث ہے اسی طرح اگر اہم کام ہو تو افسر آئیں۔ اگر ان کا آنا ضروری ہو۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ اسی سورہ میں ان کے لئے اجازت ہے۔ کہ اکثر لا یعقل ہوتے ہیں۔ یعنی جن کو ضرورت کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے ان پر کوئی

اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ورنہ ایسے رقعے یونہی ہوتے ہیں۔ یا بعض لوگ آتے ہیں اور الگ ملتے ہیں اور اس وقت کوئی مسئلہ پوچھتے ہیں۔ اس وقت افسوس آتا ہے کہ انہوں نے الگ ہو کر کیوں پوچھا اگر مجلس میں پوچھتے تو دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا۔ علیحدگی میں ایسی بات کے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو مجلس میں بیان نہ کی جا سکتی ہو۔ اگر مجلس میں پوچھیں تو ان کو بولنے کی عادت ہو جائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچ جائے۔ یہ ہدائتیں ہیں۔ ان کا مد نظر رکھنا ضروری ہے تمدن ترقی کے لئے ضروری ہے اور تمدن کا اعلیٰ درجہ کا ہونا بھی لازمی ہے۔ چاہئیے کہ ہمارا تمدن اعلیٰ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو ہر قسم کی خوبیاں حاصل کرنے اور قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل ۲؍ جولائی ۱۹۲۲ء)